مولانا محمد طاسین کی وفات (۲۳ر دسمبر ۱۹۹۸ء)

پاکستان کے علمی حلقوں میں یہ خبر انتہائی دکھ سے سنی جائے گی کہ مولانا محمد طاسین ایک کامیاب علمی زندگی بسر کرنے کے بعد ۷۵ سال کی عمر میں سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔ "انا للہ و انا الیہ راجعون"۔ مولانا نے اپنے پیچھے ایک بیوہ' تین بیٹے اور دو بیٹیاں چھوڑی ہیں جن سے ہمیں دلی ہمدردی ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت انس کی ایک روایت میں آیا ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہو گی کہ علم کو اٹھا لیا جائے گا۔ اور دوسری روایت میں آیا ہے کہ علماء کی رحلت کے بعد اہل جہل کو سردار بنا لیا جائے گا' وہ علم و دانش کے بغیر فتویٰ دیں گے' اپنے ساتھ دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ ان روایات میں جو کچھ آیا ہے' اس کے مکروہ مظاہرے ہم ہر روز اپنی اجتماعی زندگی میں دیکھ رہے ہیں' جن کی وجہ سے مولانا طاسین کی کمی کو ہمیشہ محسوس کیا جائیگا۔ کیوں کہ وہ صحیح معنی میں عالم تھے اور عارف بھی۔

مولانا علمائے حق میں سے تھے' جنہوں نے پہلے اپنی زندگی کو قرآن و سنت کے سانچہ میں ڈھالا' پھر لوگوں کی رہنمائی کی اور نازک وقت میں آپ نے اسلام کی عادلانہ تعلیمات کی روشنی میں ہماری سماجی برائیوں کو جن میں جاگیرداری نظام بھی ہے' واشگاف الفاظ میں بیان کیا۔

مولانا نے اجتماعی مسائل پر لکھنے کے ساتھ ساتھ تزکیۂ نفس اور معنوی اصلاح پر بھی لکھا۔ مولانا کا نقطۂ نظر تھا کہ انسان کی معنوی اصلاح اس کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر اثر انداز ہوتی ہے' چنانچہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ آخرت میں جواب دہی کا گہرا شعور رکھتے

ہیں اور خدا سرشاری (تقویٰ) کے جذبے سے سرشار ہیں وہ اجتماعی اور سرکاری فرائض پوری ذمہ داری سے نبھاتے ہیں۔

مولانا کی کامیاب تحریروں کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ عربی زبان' ادب اور روایات سے واقف تھے۔ مزید یہ کہ وہ نہ تو جامد مولویت کے حامی تھے اور نہ ہی کھوکھلی دانشوری کے' جو اپنی صحت مند فکری اور روحانی روایات سے بے خبر ہے۔ چنانچہ مولانا نہ صرف اپنے فکری اور روحانی ورثے سے باخبر تھے' بلکہ موجودہ مسائل سے بھی آگاہ تھے اور انہیں ان کے صحیح تناظر میں حل کرنے کے قائل تھے۔ ان کی علمی دیانت' بالغ نظری اور وسعت مطالعہ نے ان کے سامنے ادراک حقیقت کی راہوں کو کھول دیا تھا۔

مولانا محمد طاسین ۱۹۲۳ء میں ہری پور' ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ مقامی مدارس میں دینی تعلیم کے بعد دارالعلوم دیوبند' مراد آباد اور امروہہ میں نہ صرف پڑھتے رہے' بلکہ امروہہ کے جامعہ اسلامیہ میں پڑھاتے بھی رہے' قیام پاکستان کے بعد پاکستان کی دانش گاہوں اور نیم سرکاری اداروں سے بھی ان کا غیررسمی تعلق رہا۔ آپ کراچی میں مجلس علمی کے ناظم تھے' مجلس علمی کے پاس ایک عمدہ لائبریری ہے' جس میں اسلامی ادب کی کلاسیکی لٹریچر کی بنیادی کتابیں ہیں۔ اب مجلس میری ٹاور سے نئی عمارت میں منتقل ہوگئی ہے' جہاں پر سکالرز کے لیے رہنے کا بھی انتظام ہے۔ اکتوبر ۱۹۹۶ء میں مولانا کے ساتھ نئی جگہ پر گیا تھا۔ جہاں مجلس علمی کے نظم و ضبط اور لائبریری کو دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی تھی۔

برصغیر میں غالباً مولانا حفظ الرحمان اور مولانا مناظر احسن گیلانی پہلے عالم ہیں جنہوں نے کھل کر اپنی تصنیفات: "اسلام کا اقتصادی نظام" اور "اسلام اور جاگیرداری نظام" (بالترتیب) میں اس نظام کی مخالفت کی جو غریب لوگوں کی محنت کا استحصال کرتا ہے۔ پاکستان میں مولانا طاسین نے اس موضوع پر برابر لکھا' ان کی آخری کتاب "اسلام کی عادلانہ تعلیمات قرآن و حدیث کی روشنی میں" شائع ہوئی۔ اس سے قبل ان کی کتاب "مروجہ نظام

زمینداری اور اسلام" لاہور سے شائع ہوئی تھی۔ مولانا کے ایک معاصر مرحوم ڈاکٹر ضیاء الحق بھی اس موضوع پر لکھتے رہے۔ دونوں مارشل لا دور میں نظام اسلامی کے نام سے رائج کی جانے والی اقتصادی اصلاحات کو سرمایہ داری نظام کی ایک شکل قرار دیتے تھے۔

"المعارف" کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ ہم نے اس مجلّے میں ان کے کئی مقالات شائع کیے۔ ایسے ہی کئی سیمینار میں ان سے یک جائی رہی۔ بلوچستان یونیورسٹی میں ۱۹۸۱ء میں "قرآن مجید — اسلامی فکر کا بنیادی سرچشمہ" کے موضوع پر ایک سیمینار ہوا' جس میں انہوں نے اپنے مقالہ: "قرآن کا تصور معاشرہ" پر اہل علم سے داد لی۔ یہ مقالہ' یونیورسٹی کی طرف سے شائع کی جانے والی ایک کتاب "قرآن مجید: اسلامی فکر کا بنیادی سرچشمہ" میں بھی چھپا۔

انہوں نے روحانی اصلاح اور تزکیہ نفس کے لیے مولانا مناظر احسن گیلانی کی مشہور کتاب "مقالات احسانی" مجلس علمی' کراچی سے شائع کی۔ یہ کتاب دراصل مولانا گیلانی کے چند مقالات کا مجموعہ ہے' جن کا تعلق امام غزالی' مولانا رومی اور حضرت شیخ اکبر ابن عربی کی روحانی تعلیمات سے ہے۔ ان مقالات کا بنیادی مقصد آدمی کو سرحیات سے آگاہ کرنا ہے کہ وہ اس دنیاوی سفر میں اللہ سے اپنا رشتہ استوار کر کے کس طرح معنوی بیماریوں پر قابو پا سکتا ہے۔ بندہ و خدا کے درمیان یہ لطیف اور پاکیزہ رشتہ بڑے بڑے بول بولنے سے قائم نہیں ہوتا' بلکہ اس راہ پر چلنے والے ارباب معرفت: غزالی' رومی' ابن عربی جیسی شخصیتوں کی ہم نشینی سے وجود میں آتا ہے۔

مولانا موصوف سے خاکسار کی نیازمندی کا رشتہ ۱۹۷۰ء سے قائم تھا۔ کراچی میں جب کبھی جانا ہوتا تو ان سے ڈاکٹر ایچ' ایم' جعفری' ڈاکٹر منظور احمد یا خود ان کے گھر پر کھانے پر ملاقات ہوتی۔ مولانا کی بات چیت' بذلہ سنجی اور علمی نکات سننے کے قابل ہوتے۔ ان لمبی نشستوں میں مولانا کا وقار برابر قائم رہتا۔ سفید و سرخ رنگ' چمک دار آنکھیں' لبوں سے

کھلنے والی مسکراہٹ، سرپر جناح کیپ، عمدہ شیروانی ـــــ غرضیکہ مولانا کی خوب صورت شخصیت رونق بزم ہوتی اور وہ دل کی گہرائیوں سے اپنے ساتھیوں سے پیار کرتے۔

آخری بار ویانا سے لاہور آتے ہوئے، اپریل ۱۹۹۸ء میں کراچی میں تین دن ڈاکٹر جعفری کے ہاں قیام رہا۔ پتہ چلا کہ مولانا بیمار ہیں، ہسپتال سے گھر آچکے تھے۔ لیکن صاحب فراش تھے اور ملنے ملانے پر پابندی تھی۔ فون پر بات ہوئی۔ آواز سے ان کی کمزوری اور نقاہت عیاں تھی۔

خواتین کے حقوق پر ایک کمیشن نے رپورٹ شائع کی تھی، جس کے مولانا بھی ممبر تھے۔ فرمایا، جونہی وہ تندرست ہوئے تو وہ رپورٹ مجھے مل جائے گی۔ کیا خبر تھی، مولانا سفر آخرت کی تیاری کر رہے ہیں اور بن ملے اچانک چلے جائیں گے۔ جب رحلت کی خبر ملی، تو بے اختیار دل سے انا للہ و انا الیہ راجعون کے ساتھ یہ آواز بھی نکلی:

رفتید ولے نہ از دل ما